جس جگہ سے نکل گئی ہے پھر وہیں جما دیں تو اس کو تجدید کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ جدید اس تجدید کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے فرمان الٰہی ہے ﴿وقالوا ء إذا كنا عظاماً و رفاتاً ء انا لمبعوثون خلقاً جديداً O﴾ (الإسراء ٤٩) لوگوں کا وجود پہلے تھا اور مرنے کے بعد زندہ کرنے کو خلقاً جديداً قرار دیا۔ حدیث شریف میں بھی تجدید ایمان کا ذکر ہوا ہے''إن الإيمان يخلق فى جوف أحدكم كما يخلق الثوب الخلق فاسألو الله تعالى أن يجدد الإيمان فى قلوبكم''(حاكم كتاب الايمان: ٥ وقال رواته ثقات) یہاں تجدید ایمان کا ذکر ہوا ہے۔

تجدید کی اصطلاح نبی ﷺ کے اس قول مبارک سے ماخوذ ہے (إن الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها) (سنن ابى داؤد:الملاحم ٤/ ٤٨٠) ''اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر 100 سال کے بعد ایک شخص بھیجے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا''۔ پس دین کے متروکہ اعمال اور سنت نبی ﷺ کا احیاء اور تجدید ہر اسلام پسند کے لئے لازمی ہے۔

مولانا آزاد نے تجدید و احیاء دین کے بارے میں فرمایا ہے ''ہمیں اپنے تمام کاموں میں چاہئے کہ گزشتہ اصولوں کو زندہ کریں اور اپنے اعمال حسنہ کے مٹے ہوئے نشانوں کو ابھاریں۔ ہم کو نئے مقاصد کی ضرورت نہیں، ہم کو نئی صداؤں کی احتیاج نہیں، ہمارے سامنے صاحب خلق عظیم ﷺ کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ ہم اہل بیت نبوت مطہرہؓ اور صحابہ کرامؓ کے اعمال کو دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس سلف صالح کے اعمال کی سراغ رسانی کے وسائل موجود ہیں۔ ہمارے پاس قرآن مجید اپنی حیثیت و حقیقت اولیٰ میں موجود ہے۔ جبکہ اس کی آیتیں بطحاء و یثرب کے ریگستانوں میں اسرار الٰہی سے پردہ اٹھا رہی تھیں، اور دنیا کو انسانیت کے اعلیٰ اصولوں کا سبق دے رہی تھیں۔ پھر کیا ہے کہ ہم نئے مقاصد کے متلاشی ہوں؟ پھر بھی ہم نئے اصولوں کی تاسیس میں لگ جائیں''؟

یہ مضمون مولانا ابو الکلام آزاد نے ۱۹۱۳ میں اس وقت مجلّہ ''الہلال'' میں رقم کیا جب مسلمان انگریزوں کی غلامی کی آہنی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان حالات میں مولانا مسلمانوں کو اسلامی اصولوں کے اپنانے اور انگریزی قانون کو پاؤں تلے روندنے کا پیغام دیتے رہے، جبکہ آج کل بعض خواتین و حضرات ایک اسلامی ملک کے آزاد شہری ہونے کے باوجود اسلامی اصولوں میں تغیر اور ترمیم کی بات کرتے ہیں۔

﴿ أفلا يتدبرون القران أم على قلوب أقفالها O﴾(محمد ٢٤)

طاقت کا اصل معیار

محمد اسماعیل عبدالرحمن

اسلام نے ایمان اور سیرت صالحہ کو طاقت کا اصل معیار قرار دیا ہے، اور یہ طاقت صرف ایک کلمہ کی حقیقت دل میں اترنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور چاروں خلفاء راشدین کے دور میں جو چیز مسلمانوں کو حاصل تھی یہی کلمہ طیبہ تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس زمانے میں جس نے اس کلمہ کا اقرار کیا، اس کی زندگی بدل گئی۔ خام سے یکایک وہ کندن بن گیا اور ایک ایسی جاذبی قوت اس کے اندر پیدا ہوئی کہ دل اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ جس نے انہیں دیکھا وہ محسوس کرتا کہ گویا تقوی، پاکیزگی اور صداقت کو مجسم دیکھ رہا ہے۔ وہ ناخواندہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی غریب بھی تھے، مگر پھر بھی لوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی ہیبت ہوتی جتنی بڑے بڑے شان و شوکت کے مالک بادشاہوں قیصر و کسری کو بھی حاصل نہ تھی۔ گویا ایک مسلمان کی حیثیت ایک چراغ کی سی تھی، اسکی روشنی ہر اس طرف پھیل جاتی جدھر وہ رخ کرتا۔ اس طرح ہزاروں، لاکھوں چراغوں کے لئے صرف یہی ایک چراغ روشنی فراہم کرتا۔ پھر جو بھی اس روشنی کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتا، انہیں جلا کر راکھ بنانے کی طاقت بھی اس میں موجود ہوتی۔

ایمان اور سیرت صالحہ کی طاقت ہی سے ان کی صرف تین سو سے کچھ اوپر تعداد نے پوری عرب کو مقابلے کا چیلنج دیا، جب ان کی تعداد ہزاروں سے لاکھوں میں پہنچی تو پوری دنیا کو اپنے زیر نگین بنا دیا۔ ہر وہ قوت پاش پاش ہو جاتی جو ان کے ساتھ مقابلے کی کوشش کرتی۔

دور بنی امیہ کا واقعہ ہے کہ افغانستان کا حکمران جنہیں عام طور پر رتبیل کہا جاتا تھا، اس نے مسلمانوں کو خراج دینے سے انکار کر دیا۔ ہر طرح سے کوششیں کی گئیں، لیکن انہیں مطیع نہ کر سکے۔ یزید بن عبدالملکؒ جب حکمران بنا اور اس نے خراج کی وصولی کے لئے سفیر روانہ کئے، تو رتبیل نے مسلمانوں کے سفیروں سے پوچھا ''جو لوگ تم سے پہلے خراج لینے آتے تھے، فاقہ زدوں کی طرح ان کے پیٹ پچکے ہوتے تھے، ان کی پیشانیوں پر گٹے ہوتے تھے اور کھجوروں کے جوتے پہنتے تھے''۔ کہا گیا وہ تو گزر گئے۔

رتبیل کہنے لگا! ''اگرچہ تمہاری شکل و صورت ان سے بہتر پوزیشن میں ہے، مگر تم سے زیادہ وہ وعدہ کے پابند

اور مضبوط طاقت کے مالک تھے''۔

وہ تقریباً نصف صدی تک خراج دینے سے انکاری اور اسلامی حکومت سے آزاد رہا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین کے اندر وہ کونسی طاقت تھی جس کی بنا پر بے سروسامانی کے باوجود رتبیل ان کا اطاعت گزار تھا؟۔ بعد میں مسلمان ایک ایسی طاقتور قوم بنے کہ وہ دنیا کی بہت ساری عظیم مملکتوں کے وارث بن چکے تھے، پھر بھی مذکورہ حاکم نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اصل فرق ایمان، خلوص نیت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا تھا۔ افرادی قوت اور اسباب و آلات کی کثرت کو اسلام نے ہرگز طاقت کا معیار نہیں بنایا، بلکہ اسلام اگر اس دنیا میں پھیلا ہے تو وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی طاقت ہی سے پھیلا۔ یہی قوت تھی جس نے مسلمانوں کو دنیا میں سربلند کیا اور تمام سُپر پاور کے خواب دیکھنے والے اقوام کے دلوں میں بھی ان کا رعب اور دبدبہ جاگزین ہوا۔ اگرچہ افرادی اور مادی وسائل ان کے پاس بالکل کم تھے، اس کے برعکس جب مسلمانوں کے پاس سے ایمان اور اعمال صالحہ کا سرمایہ کم ہوا، تو وہ کثیر تعداد کے باوجود کمزور اور بے بس ہوتے چلے گئے۔

آج بھی مسلمانوں کی حیثیت یہی ہے۔ کسی بھی ملک کی طاقت کا اصل معیار اس کی مسلح افواج، جنگی ساز و سامان اور اس کے ایٹمی پلانٹ و دیگر وسائل وذرائع نہیں، بلکہ اس ملک و وطن کے باسیوں کا کردار و گفتار، معاملات کی پاکیزگی اور خیالات کی بلندی ہے۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جو جدید فنی وسائل کی عدم موجودگی میں بھی دنیا پر اپنا راج قائم کر سکتی ہے۔ بے کسوں اور بے سہاروں کو حکمرانوں پر غالب کر دیتی ہے، پھر جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر بھی اپنا راج قائم کرتی ہے، اسی طاقت کے بل پر بھوک اور پیاس سے نڈھال، سوکھی ہڈیوں والے، چھال کے جوتے پہن کر بھی دنیا میں اپنا تسلط جما لیتے ہیں۔ لیکن آج مسلمانوں کو جو وسائل اللہ نے دیئے ہیں، وہ غیر مسلموں کو حاصل نہیں۔ عالم اسلام اس وقت ایٹمی طاقت کا مالک بھی ہے، ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے مزین ہے۔ لیکن کسی بھی جگہ کوئی قوم مظلوم اور مقہور ہے تو وہ مسلمان ہے۔

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مادّی وسائل کی فراوانی اخلاقی طاقت کے فقدان کی تلافی نہیں کرتا۔ مادّی وسائل کے بل بوتے پر اگر کسی قوم کو غلبہ نصیب ہو جائے تو وہ غلبہ دائمی نہیں ہوتا۔ اس کی روشن مثال ماضی قریب میں روس کی ہے، جب وہ طاقت کے نشے میں چور ہو کر توسیع سلطنت کی ہوس میں حد سے بڑھ گیا تو اس کا انجام کیا ہوا؟ بے سروسامان مجاہدین اسلام کے ہاتھوں کس قدر عبرت ناک شکست بلکہ ریخت سے دوچار ہوا، اور اس وقت بھی ایٹمی قوت کا مالک ہونے کے باوجود چند نہتے مجاہدین کے ہاتھوں چیچنیا میں کس قدر مشکلات میں پھنسے ہوئے

ہیں۔اسی صورت حال کا سامنا کشمیر میں ہندوستانی افواج کو بھی ہے۔

لہذا یہ امر مسلمہ حقیقت بن گئی کہ اخلاقی طاقت کی فراوانی مادی وسائل کے فقدان کی تلافی کر دیتی ہے۔مادی وسائل اور آلات حرب کے زور سے اگر کسی ملک نے غلبہ حاصل کر لیا تو اس مغلوب ملک کے رہنے والوں کے دل کبھی مسخر نہ ہونگے صرف گردنیں جھک جائیں گی اور وہ بھی رگڑنے کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے مستعد ومنتظر رہیں گے۔

اکثر لوگوں کے لیے یہ بات باعث تعجب ہے کہ قرآن پاک نے مسلمانوں کیلئے زمین پر غلبہ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ایمان کے ساتھ اچھے اعمال کو قرار دیا ہے، قرآن نے یہ نہیں کہا کہ صنعت وحرفت، سائنسی آلات کی ایجاد اور کردار وگفتار میں ترقی یافتہ قوموں کی اتباع کرو، تو کامیابی وترقی تمہارے قدم چومے گی۔ بلکہ کسی بھی قوم کی تنزلی اور دونوں جہانوں میں خسارے کا واحد سبب نفاق کو ٹھہرایا ہے، نہ کہ ان چیزوں کی کمی کو، جنہیں آج کل دنیا ترقی کے اسباب سمجھتی ہے۔

مسلمان کی حقیقت واہلیت صرف اسلام سے ثابت ہوتی ہے ،اگر وہ اس پیغام پر ایمان رکھے جسے محمد رسول اللہ ﷺ لائے ،اور ان قوانین کی اتباع کرے، جن کو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی وساطت سے نازل کیا گیا۔ اگر وہ شخص صاحب اقتدار ہو تو عملا اسے نافذ کرنے کی بھی کوشش کرے تو اس شخص کا اسلام متحقق ہوتا ہے۔ دنیاوی اعتبار سے ایک شخص کتنا ہی بااختیار کیوں نہ ہو ،اور زینت حیات سے وابستہ تمام چیزوں سے بھی مزین ہو، مگر ایمان کے نور سے اس کا دل محروم ہو، شریعت اسلامیہ کی پیروی سے اس کی زندگی خالی ہو تو وہ منسٹر ہو سکتا ہے، صدر بن سکتا ہے، ڈاکٹر اور گریجویٹ بھی ہو سکتا ہے، جنرل اور چیف ایگزیکٹیو بھی بن سکتا ہے ،لیکن مسلمان نہیں ہو سکتا۔وہ ترقی کسی اسلامی ملک یا کسی مسلمان کی ترقی نہ ہوگی ،جب تک تمام دنیاوی معاملات میں بھی ملک کا دستور اسلام کے تابع نہ ہو اس طرح کی ترقی کو اسلام اور اہل اسلام کا نصب العین قرار نہیں دیا جا سکتا۔کسی بھی اہل وطن کے افکار ، اخلاق، تمدن اور معاشرت کی بنیاد اسلام پر ہو اور وہ عقیدہ وعمل دونوں لحاظ سے کمزور ہوں ،وہ قوم مادی ترقی کے وسائل کتنی ہی فراوانی کے ساتھ فراہم کرے اس کا ایک مضبوط طاقت کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر ابھرنا محال ہے کیونکہ وہ اساس ہی کمزور ہے جس پر اس قوم کی قومیت اور تہذیب واخلاق کی امارت قائم ہے ،اور اساس کی کمزوری ایک ایسی کمزوری ہے جس کی تلافی صرف ظاہری سازوسامان اور زیب وزینت سے نہیں ہو سکتی۔